The Need For A New Economic System

by
John Scales Avery

نیا مستقبل نئے تقاضے

جان ایوری

ترجمہ: اعزاز باقر

MashalBooks.org

مشعل

نیا مستقبل نئے تقاضے

جان ایوری

ایچ۔سی۔آرسٹڈ انسٹیوٹ، یونیورسٹی آف کوپن ہیگن

27مارچ2016

ترجمہ:اعزاز باقر

MashalBooks.org

مشعل بکس

آر۔بی5 ' سیکنڈ فلور'عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور۔54600، پاکستان۔

نیا مستقبل نئے تقاضے

جان ایوری

ترجمہ: اعزاز باقر

کاپی رائٹ اردو © 2017 مشعل بکس

کاپی رائٹ انگریزی ©2016 جان ایس۔ ایوری اور آرئین پبلیشنگ کمپنی

ناشر: مشعل بکس

آر-بی-5، سیکنڈ فلور،

عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،

لاہور-54600، پاکستان

فون و فیکس 042-35866859

Email: mashbks@brain.net.pk

http://www.mashalbooks.org

MashalBooks.org

ڈاکٹر پرویز ہود بھائی

تعارف

سب سے پہلے خوش خبری: کرۂ ارض پر زندگی ہر طرح کی تباہیوں سے بچ بچا کر قائم رہے گی، بھلے وہ تباہی بے قابو گلوبل وارمنگ کی ہو یا کسی بھرپور ایٹمی جنگ کی، بشرطیکہ یہ کرۂ ارض کسی بھولے بھٹکے بلیک ہول (black hole) سے ٹکرا نہ جائے۔ اس کرہ کے ایٹم ضرور کسی نہ کسی نئی ترکیب سے جڑ جائیں گے اور زندگی کی نئی سے نئی ایسی شکلیں بنا ڈالیں گے، جو کاکروچ سے بھی زیادہ سخت جان اور تباہی سے محفوظ ثابت ہو سکتی ہیں۔ البتہ انسانی نسلوں اور ان کی قدرتی پناہ گاہوں کے زیاں اور ان کے تیز تر زوال پر افسوس ضرور ہوگا۔

بری خبر یہ ہے کہ تباہ کن موسمیاتی تبدیلی اور ایٹمی جنگ کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ تیل کی قیمتیں قریب آدھی سے بھی کم ہو جانے کے باعث ہم زیادہ ہائیڈروکاربن (کوئلہ اور گیس) جلا رہے ہیں۔ بیس سال پہلے کے مقابلے میں آج زیادہ ملکوں کے پاس ایٹمی ہتھیار ہیں۔ لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت اس قسم کی ناخوشگوار باتیں سننے میں چنداں دلچسپی نہیں رکھتی۔ نہ انہیں اس بات سے غرض ہے کہ تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے بھوکے عفریت کا پیٹ کیسے بھرا جائے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ ایسی قیامت خیز پیش گوئیاں خام خیالی سمجھی جاتی ہیں، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی مرض کی تکلیف دہ علامات سے نبٹنے کے لئے آرام طلبی چھوڑ کر نئے اور خوفناک میدان میں قدم رکھنا پڑتا ہے۔ مزید خرابی یہ ہے کہ اس موضوع پر سوچنا، لکھنا یا کچھ کرنا، سوائے معمولی حاصل حصول کے، بالعموم کسی مالی فائدے کا باعث بھی نہیں بنتا۔

میرے خیال میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ گنتی کے چند فکرمندوں کو چھوڑ کر کرۂ ارض کے اکثر ہوشیار اور سمجھ دار لوگ انسانی بقا کو درپیش بڑے خطروں سے بالکل ہی لاتعلق رہتے

MashalBooks.org

ہیں، یا پھر اسے بمشکل ہی لائق توجہ سمجھتے ہیں۔ وہ دوسری انگنت چیزوں کے لئے پریشان رہتے ہیں ۔ جیسے زمان و مکان کی اضافی جہتوں ،یا ابعاد کی دریافت ،یا مصنوعی ذہانت کے ایسے فارمولے بنانا جن کی مدد سے قدیم مصری اور کریٹن رسم الخط کو پڑھا جا سکے۔ یہ جہاں علمی طور پر زیادہ طمانیت بخش ہوتے ہیں وہاں درس گاہوں سے بھی انہیں پذیرائی ملتی ہے، اور آپ کے رفقاء کار میں آپ کا قد اور بھی بلند ہو جاتا ہے۔ رچرڈ فین مین (Richard Feynman) جیسا ایک آدھ آدمی ، اپنی ان بھر پور اور متفرق کاوشوں کی بنا پر جو اس نے طبیعی کائنات کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے کی ہیں، میرے جیسے فزکس کے لوگوں میں جوش اور تحریک پیدا کرتا ہے ۔تاہم اس نے ہمارے سیارے کو درپیش آنے والے بے شمار ہنگامی حالات سے نبٹنے کے لئے کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا۔

اور پھر ہماری آج کی صنعت اور حکومت ہے۔ یہ ان ماہرین ماحولیات کا دل تو رکھنے لگے ہیں جنہیں کچھ عرصے پہلے تک اچھوت سمجھا جاتا تھا، لیکن کرۂ ارض اور نسل انسانی کا تحفظ اب بھی ان کی ترجیحات میں شامل نہیں ہے۔ اس کی ذمہ داری گرین پیس، آڈوبان سوسائٹی، ورلڈ وائلڈ لائف فنڈ اور ان جیسے نیک کام کرنے والی تنظیموں کے لئے چھوڑ دی گئی ہے۔ یہ سوچ کر انہیں تھوڑی بہت مدد مل جاتی ہے کہ یہ تنظیمیں فلاحی کام کر رہی ہیں۔ مگر صرف اس حد تک کہ موجودہ نظام خطرے میں نہ پڑ جائے۔ اس کے برعکس ایک ایسے ہوشیار موجد کو بہت سراہا جائے گا جو نئی قسم کا ایسا تارپیڈو تیار کر لے جو کسی بھی جگہ اور سمندر کی کتنی ہی گہرائیوں میں کسی خاموش آبدوز کو نشانہ بنا لے۔ دو درجن سے زیادہ ملکوں کی دفاعی صنعتیں اس کی تخلیقی صلاحیتوں پر اسے انعام و اکرام سے نوازیں گی۔

چونکہ آج کل انسان اس طرح اپنی ترجیحات طے کرتے ہیں اس لئے یہ بات اطمینان بخش ہے کہ کم سے کم کچھ سنجیدہ سائنس دان تو اپنی سائنسی اور تجزیاتی مہارت انسانیت کو درپیش خطرات کو بھانپنے اور اور ان سے نبٹنے کے ممکنہ طریقے ڈھونڈنے میں استعمال کر رہے ہیں ۔ جان ایوری کی پہلی کتاب ''خلائی سائنس اور پتھر کے زمانے کی سیاست'' (Space Age Science and Stone Age Politics) میں بھر پور طریقے سے واضح کیا گیا ہے کہ ٹیکنالوجی کی رفتار نے ہمارے ثقافتی ارتقا کی رفتار کو کہیں پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ یہ زبردست ماہرانہ مطالعہ انسانی

MashalBooks.org

ارتقا کے مختلف مراحل کے بارے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ کیسے ابتدا میں انسان شکار مار کر اور
جنگل کی اشیا جمع کر کے اپنی زندگی برقرار رکھتا تھا اور کہاں آج کا انسان ان پیچ در پیچ
ثقافتی، معاشی اور سیاسی بندھنوں میں پھنسا ہوا ہے جو آج کی قومی ریاستوں کے اجزائے ترکیبی
ہیں۔ ارتقائی نقطہء نظر سے تو یہ نظام بہت بڑی کامیابی ہے۔ لیکن یہی کامیابی اس حیاتی کرہ کے
لئے خطرہ بن رہی ہے جس سے زندگی کی متنوع اقسام، جن میں انسان بھی شامل ہے، رزق حاصل
کرتی ہیں۔

ایوبری کی نئی کتاب اس کے پہلے کام کو آگے بڑھاتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی
وہ پوری شدت کے ساتھ، نئے سرے سے اس حقیقت پر اصرار کرتی ہے کہ جدید معاشرہ انتہائی
غیر منصفانہ ہو چکا ہے۔ جزا اور سزا کے اس بے مہار سرمایہ دارانہ نظام میں امیر امیر تر اور غریب
غریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ سیاسی امور کے ماہر جیکب ہیکر اور پال پئیرسن اسے" جو جیتے وہ
سارا مال سمیٹے :؛ کے لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔ یہ کسی صحت مند معاشرے کی تصویر نہیں ہے
۔ادھر بیروزگاری بڑھتی جا رہی ہے، اور لوگ اپنے مکان چھوڑنے پر مجبور کئے جا رہیں، اور ادھر
معاشی ثمرات زیادہ سے زیادہ ایک بہت ہی چھوٹی سی اشرافیہ تک محدود ہوتے جا رہے ہیں۔ کار
پوریٹ سیکٹر کے بڑے افسروں کے لئے اس سے زیادہ بہتر حالات کبھی نہیں رہے۔ بڑھتے ہو
ئے معاشی خطروں کا سامنا صرف اور صرف غیر محفوظ اور غیر متحد متوسط طبقے کو ہی کرنا پڑ رہا ہے
۔عالمی مالیاتی اشرافیہ اپنی انتہائی خرچیلی شرط بازی، جیسے کرنسیوں کے سٹے میں نقصان کو اپنے
کھاتے میں ڈالنے سے بچ جاتی ہے۔ اس لئے تیسری دنیا کے بیشتر ملکوں ۔۔جیسے حال ہی میں
یونان۔۔ کو اس کی قیمت چکانی پڑتی ہے۔ یہ متعدی مرض لازماً یورپ کے دوسرے ملکوں تک اور
پھر اس سے بھی آگے تک پھیلے گا۔

ترقی ہی خدا ہے۔ اس نظریے کے زیر اثر آج کی معیشتیں ایک محدود کرہ پر رہتے ہوئے
لامحدود ترقی کی منزل حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ لیکن اس کے نتیجے میں نظام فطرت اور انسان کے
پیدا کردہ نظام دونوں ہی تباہی کے دہانے پر پہنچ رہے ہیں۔ تاہم سماجی نظم و نسق اور ایسے انسانی
رویے، جہاں اصراف کو تحریک دینا ہی اصل مقصد ہو، زیادہ عرصے برقرار نہیں رکھے جا سکتے۔

بڑھوتری کے اس تصور کو بینک کاری کے عالمی اور قومی نظام کے ذریعے ترقی دی

جاتی ہے۔اس کا مقصد زیادہ سے زیادہ منافع کمانا ہے۔اس کی سرگرمیوں کو مالیات کی تیکنیکی اصطلاحوں، جیسے Derivative products, equity swaps۔ کے پراسرار پردے میں چھپا دیا جاتا ہے۔منافع کا حصول اور پیداواری سرگرمیوں میں تحریک بذات خود بری چیز نہیں ہے، لیکن کیا بڑھوتری کا مطلب محض اشیا کی پیداوار میں اضافہ ہونا چاہئیے یا اس کے بجائے خدمات کی فراہمی میں اضافہ؟ اگر اس کا مطلب موخر الذکر ہے تو پھر یہ پائیدار بھی ہوسکتا ہے اور لا متناہی دولت اور ترقی کا ماخذ بھی۔سوفٹ ویر، میوزک، تعلیم اور دوسری مختلف سائنسی اور ثقافتی سر گرمیاں معیشت میں توسیع اور کسی اضافی خرچ کے بغیر علم و دانش کی نفاست کو اعلیٰ سطح تک لے جانے کا باعث بنتی ہیں۔اس کے برعکس مادی اشیا کی پیداوار کے لئے قدرتی وسائل جیسے کوئلہ اور، گیس وغیرہ اور دیگر معدنیات استعمال کرنی پڑتی ہیں۔آج ایک کے بعد ایک شہر اور ملک کو گھناؤنی ماحولیاتی آلودگی اور ماحول کی تباہی کا سامنا ہے

اشیا کے وسیع تر انفرادی استعمال کے ساتھ ذاتی تسکین اور شرح نمو کے ساتھ معیشت کی صحت کو جوڑنا جدید سرمایہ دارانہ نظام کے دو بنیادی اجزا ہیں۔انسانی ارتقا کے ابتدائی مرحلے پر یہ امر کافی حد تک قابل فہم تھا ،مارکس نے صنعتی دور کے سرمایہ دارانہ نظام میں مزدور کی حالت زار پر برہمی کا اظہار کرنے کے باوجود جاگیردارانہ نظام پر سرمایہ دارانہ نظام کی فوقیت کو تسلیم کیا تھا، کیونکہ یہ مادی اشیا کی پیداوار کی تنظیم کے حوالے سے زیادہ مستعد اور منظّم تھا۔

اس کا یہ بھی کہنا تھا کہ سرمایہ دارانہ نظام آخر کار سوشلزم کے غلبے میں آجائے گا کیونکہ یہ اس سے بھی زیادہ مستعد اور کارگر ہوگا۔مارکس کی دنیا میں اور اسی طرح ایڈم سمتھ یا ڈیوڈ ریکارڈو کی دنیا میں بھی زیادہ ہونا بہتر ہونا تھا۔یہ اس وقت کی بات ہے جب سمندروں میں مچھلی کی بہتات تھی؛ جنگل ابھی تک ہرے بھرے تھے اور ہوا صاف تھی ماسوائے ان جگہوں کے جو صنعتی مراکز کے قریب تھے۔یہ ماحول مفروضہ طور پر متعین تھا ایک مخصوص تعداد پر مبنی وسائل جن سے بہتر لامحدود استفادہ کیا جاسکتا تھا۔

اب یہ سب کچھ تبدیل ہو چکا ہے اور نوع انسانی کا پائیدار مستقبل اب اس امر کا متقاضی ہے کہ اس منظر کو یکسر تبدیل کر دیا جائے۔ایک خاص حد سے زیادہ اسراف کسی بھی فرد، گروہ یا ملک کو زیادہ خوشی یا اطمینان عطا نہیں کرسکتا۔اس کے برعکس ماحولیاتی آلودگی اور گندگی کے انبار یا ڈھیروں

کے شکل میں ادا کی جانے والی قیمت صورتحال کی بہتری کی بجائے ابتری کی عکاسی کرتی ہے۔

مختصر یہ کہ نوع انسانی کے لئے خوش کن اور باوقار وجود کے امکان کو دو طرح کے خطرات لاحق ہیں؛ امیر تر ممالک کی طرف سے بے جا اور زائد از ضرورت اصراف اور غریب تر ممالک میں حد سے بڑھتی ہوئی آبادی۔ موخر الذکر کی طرف سے منڈلاتا ہوا خطرہ بھی اگر زیادہ نہیں تو مساوی اہمیت کا حامل ہے۔ دنیا کی آبادی گزشتہ چالیس برسوں میں دوگنی ہو چکی ہے، یعنی کہ 1959 میں تین ارب سے بڑھ کر 2014 میں سات ارب۔ اور 2038 میں یہ بڑھ کر 9 ارب ہو جائے گی۔

چند مخصوص مذہبی حلقے آبادی میں اضافے کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی مخالفت پر کمربستہ رہتے ہیں، بنیادی طور پر کیتھولک اور مسلمان اقوام جو کہ پیدائشی عمل میں وقفے اور اسے مصنوعی طریقے سے گرفت میں لانے کی مخالفت میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ خدا وجود میں آنے والی تمام زندگیوں کو معجزانہ طریقے سے رزق عطا کرے گا۔ کاش کہ مذہبی رہنماؤں کو کبھی بطری پرچ (جراثیم کی پرورش کرنے والی اتھلی ڈھکنے دار طشتری) میں بیکٹریا کا تجربہ ہو: یہ زندہ شکلیں یا نامیاتی وجود تعداد میں اس وقت تک بڑھتے چلے جاتے ہیں جب تک یا تو دستیاب غذائی مواد ختم ہو جائے یا پھر وہ اپنے ماحول کو خارج کردہ گندگی سے اچھی طرح آلودہ نہ کر دیں۔ یہ امر کسی قدر المناک ہوگا اگر زندگی کی ایک بہت ہی برتر شکل اس بنیادی مشاہدے سے کوئی سبق حاصل نہ کرے، نہ ہی مشرق وسطیٰ میں جاری جنگوں کے تباہ کن اثرات سے فرار حاصل کرنے والے ان پناہ گزینوں کی حالت پر غور کرے جو آپ کی آنکھوں کے سامنے ہی لامحدود تعداد میں کشتی پر سوار ہو کر منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی ڈوب جاتے ہیں۔ کشتی ڈوب جانے یا الٹ جانے کے خطرے کی حد سے ذرا نیچے رہنا ہی وحشیانہ مسابقت میں جیت کا وہ نسخہ ہے جس کے مطابق کمزور لوگوں کو سمندر کی بپھرتی لہروں کی نذر کر دیا جاتا ہے۔

مسابقت کا یہی وہ خوفناک رجحان ہے جس سے ہر قیمت پر اجتناب کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ ایوری (Avery) نے اس نکتے پر زور دیا ہے کہ دنیا میں آبادی کی موافق ترین تعداد یا سطح وہ نہیں ہے جس کو جانور یا درخت کی ہر اس نوع کے خاتمے کے ذریعے برقرار رکھا جا سکے، جسے کھایا نہیں جا سکتا۔ اس کے برعکس موافق ترین تعداد یا سطح وہ ہے جسے پائیدار بنیادوں پر قائم رکھا جا سکے اور جو تمام انسانوں کے لئے ایک خوشگوار اور باوقار زندگی کی ضامن ہو۔ 1848 میں جان سٹوارٹ ملز

نے یہ نکتہ اجاگر کیا تھا کہ ''آبادی بہت زیادہ گنجان ہوسکتی ہے اگرچہ ہر ایک کو مناسب طور پر خوراک و پوشاک بھی فراہم کیوں نہ ہو''، اور اس کی دلیل کے مطابق ''اگر زمین کو اپنے اس دلپذیر ماحول کے ایک عظیم حصے سے محروم ہونا ہی ہے جو ایسی اشیاء کی بدولت قائم ہے جو کہ دولت اور آبادی میں لامحدود اضافے کے نتیجے میں ناپید ہو جائیں گی اور وہ بھی محض اس لئے تا کہ آبادی کے ایک وسیع تر نہ کہ بہتر اور فرحاں تر طبقے کی پرورش کی جاسکے، تو میں آنے والی نسلوں کیلئے مخلصانہ طور پر امید کرتا ہوں کہ وہ جمود اور یکسانیت پر ہی قانع رہیں گے اس سے بہت پہلے کہ ضرورت انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دے۔''

ہم دو صدیوں سے زیادہ عرصے سے ایک انتہائی گھمنڈ والی زندگی گزارتے چلے آرہے ہیں۔ فطرت کو ہمیشہ سے زیادہ آسانی سے مغلوب کرتے ہوئے اور ''ترقی'' پر نازاں ہوتے ہوئے۔ اب ہم دلدلی علاقوں کو بحال کرنے، دریاؤں کو مطیع کرنے، جنگلات کو زرعی رقبوں میں تبدیل کرنے، مصنوعی جزیرے بنانے اور نہ جانے مزید کیا کیا نہ کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ تاہم بجائے اس کہ ہم اپنی فتوحات میں اضافہ کرتے چلے جائیں کیا ہمیں چیزوں کو ایک وسیع تناظر میں نہیں دیکھنا چاہئیے؟

جب بے مثل سیگن نے کہا تھا ''ہم سب ایسے مواد کی پیداوار ہیں جو ستارے بنانے کے لئے استعمال ہوتا ہے'' تو اس کا مطلب یہ تھا کہ انسانوں کو لازمی طور پر انکساری کا حامل ہونا چاہئیے، اور اس امر سے آگاہ کہ انہیں بڑی نفاست سے ایک ایسی سرد اور بے حس کائنات میں رکھ دیا گیا ہے جسے ان کے زیاں پر کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ کائناتی فلسفی کے مطابق ہمیں خلا کی اتھاہ گہرائیوں سے ایک متوسط عمر کے اس معین ستارے کی گردش کرنے والے ننھے سے ہلکے نیلے نقطے پر نگاہ ڈالنی چاہئے، جو بذات خود کسی قدیم غیر معمولی قسم کے دھماکے کی پیداوار ہے۔ اس کی سحر انگیز شاعری کا درج ذیل نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

> ''زمین ایک وسیع وعریض کائنات کا نہایت ادنیٰ سا جزو ہے۔ خون کے ان دریاؤں کا تصور کریں جو بڑے بڑے جرنیلوں اور شہنشاہوں نے بہا دیئے محض اس لئے کہ شاندار فتوحات کے ان لمحوں کے مالک بن سکیں جو اس ننھے سے نقطے کا بھی معمولی سا جزو ہیں۔ ختم نہ ہونے والے ان مظالم کے بارے میں سوچیں جو کہیں کہیں سے روشن زمین کے کسی اور حصے کے باشندوں کی طرف سے دوسرے پر ڈھائے گئے، اکثر

MashalBooks.org

اوقات غلط فہمی میں مبتلا، کسی طرح ایک دوسرے کے خون کے پیاسے، ان کی نفرتوں
میں کتنی شدت پائی جاتے ہے۔

ہمارے انداز واطوار، ہماری تصوراتی وخود ساختہ اہمیت، یہ مغالطہ یا واہمہ کہ ہم اس کائنات میں ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں، یہ سارے کے سارے افسانوی دعوے پھیکی روشنی والے اس مرکز میں مشکوک یا غیر یقینی ہوکر رہ جاتے ہیں۔ ایک عظیم الشان غلاف کی حامل کائنات کے اندھیروں میں ہمارا سیارہ محض ایک معمولی سے تنہا دھبے کی مانند ہے۔ ایک گمنام وجود کی مانند بھٹکتے ہوئے، اس لامحدود وسعت میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ ہمیں خود اپنے آپ سے بچانے کیلئے کہیں اور سے کوئی مدد مل سکے گی۔

زمین اس وقت زندگی کو پناہ دینے یا اس کا تسلسل قائم رکھنے والی واحد معلوم دنیا ہے۔ ہمارے علم میں فی الحال کم سے کم مستقبل قریب میں، اور کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں زمین پر پائے جانے والی انواع کو منتقل کیا جا سکے۔ ہم ایسی جگہ کا دورہ تو کر سکتے ہیں مگر ابھی وہاں آباد نہیں ہو سکتے۔ ہمیں خواہ اچھا لگے یا برا، فی الحال ہمارے پاس یہی ایک زمین ہے جہاں ہم اپنے قدم جمائے ہوئے ہیں۔

ہم نے اپنے اس ننھے سے سیارے کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ تاہم پھر بھی ہم مکمل تباہی و بربادی سے دور ہیں۔ ہمیں اس امر کا احساس ہونا شروع ہو گیا ہے کہ پرانی عادتوں سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے۔ سی ایف سیز (CFCs) میں بتدریج کمی لانے کے حوالے سے جلد ہی یہ احساس پیدا ہو گیا تھا کہ یہ کیمیائی عناصر جنہیں قبل ازیں کرشماتی عناصر سمجھا جا رہا تھا تباہ کن اثرات کے حامل ہیں۔ اب ہم ایک ایسے بین الاقوامی معاہدے کے فریق بن چکے ہیں جس کے تحت ان پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، اور یوں ان کی پیداوار میں یقیناً بہت کمی ہو چکی ہے۔ از سر نو جنگلات اگانا اب ایک ایسا اعلانیہ ہدف ہے جس کے حصول کا بہت سے ممالک عہد کر چکے ہیں۔ کینیڈا میں گذشتہ عشرے کے دوران جنگلات کے مجموعی حجم میں اضافہ دیکھا گیا ہے۔ چین میں آنے والے عشرے میں 26 ارب پودے لگانے کی منصوبہ بندی کر لی گئی ہے جس کا مطلب ہے ہر چینی باشندے کے لئے سالانہ دو درخت۔ دی گریٹ گرین وال جیسے منصوبے کے آغاز کا مقصد پورے براعظم افریقہ کو مغرب سے مشرق تک ''سرسبز'' کر کے رکھ دینا ہے تاکہ زمین کو صحرا میں

MashalBooks.org

تبدیل ہونے سے روکا جا سکے۔ اس کے تحت غربت میں کمی کے ساتھ ہی ساحل۔ صحارائی (Sahel-Saharan) علاقے میں گھٹتی ہوئی زرخیزی پر قابو پانے کی تجاویز پر عملدرآمد کے لئے ڈاکر سے جبوتی تک 15 کلومیٹر چوڑی اور 7500 کلومیٹر طویل پٹی پر توجہ مرکوز کی جائے گی۔

تاہم توانائی کے قابل تجدید وسائل کے حوالے سے پیشرفت شاید اس سمت میں سب سے اہم قدم ہوگا۔ گلوبل ٹرینڈز ان رینیوایبل انرجی انوسٹمنٹ 2015 کی ایک رپورٹ کے مطابق قابل تجدید توانائی 2014 میں عالمی سطح پر اضافہ کردہ نئی پیداواری گنجائش کا (بڑے پیمانے کے پن بجلی منصوبوں کے علاوہ) 48 فی صد تھی اور بجلی کی عالمی پیداوار میں قابل تجدید وسائل کا تناسب بڑھ کر 9.1 فی صد ہو گیا تھا۔ یہ حجم یا مقدار سالانہ تقریباً 1.3 گیگا ٹن (Giga tons) ناخارج کردہ گرین ہاؤس گیسوں کے مساوی ہے۔

یہ سب کچھ خوش آئند مگر ابھی تک یہ ابتدائی مراحل کے اقدامات ہیں۔ مزید بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم زمین کی سطح سے نیچے اور اوپر لاکھوں برسوں سے ذخیرہ کردہ وسائل کے ساتھ ہی ہائیدروکاربن کی صورت میں باآسانی دستیاب توانائی کا کثیر حصہ پہلے ہی استعمال کر چکے ہیں۔ پرندوں اور جانوروں کی انواع کا بڑے پیمانے پر ناپید ہونے کا عمل شروع ہو چکا ہے اور اب تک 50 فی صد کے قریب ناپید ہو بھی گئے ہیں۔ یہ امر ابھی تک واضح نہیں ہے کہ ہم اس ابتر صورتحال پر کب تک قابو پا سکیں گے، تاہم یہ کتاب یقیناً ہمیں ایک کٹھن کام سونپ رہی ہے۔

1۔ ڈاکٹر پرویز ہود بھائی فارمین کرسچن کالج لاہور میں فزکس اور ریاضی کے زہرہ وزیڈ زیڈ احمد امتیازی پروفیسر ہیں۔ انہیں 2013 میں اسلحے سے پاک دنیا کے مقصد کے حصول کے لئے بنائے گئے اقوام متحدہ کے مشاورتی بورڈ کا رکن بنایا گیا تھا۔ انہیں اب تک جو ایوارڈ دیئے گئے ہیں ان کی تفصیل یوں ہے:۔ آئی ای ای ای بیکر ایوارڈ فار الیکٹرونکس (1948)؛ دی عبدالسلام پرائز فار میتھیمیٹکس (1984)؛ دی یونیسکو کالینگا پرائز فار دی پاپولرائزیشن آف سائنس (2003)؛ امریکن فزیکل سوسائٹی کی جانب سے جوزف اے برٹن ایوارڈ (2010) اور ٹفٹس یونیورسٹی کی طرف سے جین میئر ایوارڈ۔ فارن پالیسی میگزین نے انہیں 2011 کی انتہائی بااثر عالمی مفکرین کی فہرست میں شامل کیا تھا۔

MashalBooks.org

اختصاریہ

یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہمارا موجودہ اقتصادی نظام ناپائیدار بنیادوں پر کھڑا ہے۔ اس کی بنیاد جزوی طور پر محفوظ وسائل کے حامل بینکاری نظام پر ہے جو کہ بہترین ادوار میں بھی نامنصفانہ ہوتا ہے اور جو معاشی افزائش میں عدم تسلسل کے دور میں تو سرے سے ہی ناکام ہو جاتا ہے۔ تاہم ایک محدود وسائل کے حامل سیارے پر مسلسل تیزی سے بڑھتی ہوئی شرح افزائش ایک منطقی بے ہنگم پن ہے۔ ہم پہلے ہی اس شرح سے وسائل استعمال کر رہے ہیں جس پر ان کی بحالی کے لئے 1.6 زمینیں درکار ہوں گی۔ ہم زندگی کی تمام شکلوں کے لئے معاون و موافق ماحولیاتی نظام کی جڑیں پہلے ہی کھوکھلی کر رہے ہیں۔

ہمارا موجودہ اقتصادی نظام عدم مساوات کے ایک ناقابل یقین درجے کو چھو رہا ہے۔ آکسفیم (Oxfam) کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق دنیا کے 85 امیر ترین لوگوں کی ملکیت میں عالمی آبادی کے نصف غریب ترین افراد کے مساوی وسائل ہیں۔ عدم مساوات کے اس ناقابل یقین درجے کو برقرار رکھنے کے لئے، جو کہ قوموں کے مابین اور ہر قوم کے اندر بھی طبقوں کی صورت میں موجود ہے، فوجی طاقت کا استعمال کیا جاتا ہے اور جمہوریت کی جگہ اشرافیہ کی حکومت قائم کر دی جاتی ہے۔

انسانی تہذیب کے مستقبل کو نہ صرف تھرمونیوکلیائی (thermonuclear) جنگ سے بلکہ مہلک قسم کی موسمی تبدیلیوں سے بھی سخت خطرہ لاحق ہے۔ نہ صرف یہ کہ نسل انسانی بلکہ زندگی کی سوغات سے مستفید ہونے والے دیگر نامیاتی وجود بھی خطرے کی زد میں ہیں۔ اور دونوں جڑواں خطرات ہمارے موجودہ اقتصادی نظام کا ثمر ہیں۔

ہم تاریخ کے ایک نازک موڑ پر کھڑے ہیں۔ آنے والی نسلوں کے لئے ہماری ذمہ داری بالکل واضح ہے۔ ہمارے لئے ایک مستحکم و پائیدار ریاستی اقتصادی نظام کے ہدف کا حصول

MashalBooks.org

ضروری ہے۔ ہمیں جمہوری نظام کو لازمی بحال کرنا ہوگا۔ ہمیں معاشی عدم مساوات میں لازماً کمی لانی ہوگی۔ ہمیں بڑے بڑے اداروں کی ہوس زر کا سلسلہ لازماً منقطع کرنا ہوگا۔ ہمیں قدرتی ایندھن کے ذخائر کو زمین کے اندر ہی رہنے دینا ہوگا۔ ہمیں عالمی آبادی میں اضافے کی شرح کو مستحکم کرنے کے ساتھ ہی آخر کار اس میں کمی لانی ہوگی۔ ہمیں جنگ کے ادارے کو لازماً ختم کرنا ہوگا؛ اور اس کے ساتھ ہی اپنے اخلاقی ضوابط یا اقدار کو جدید ٹیکنالوجی کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ہوگا، ان اخلاقی ضوابط کے تحت تنگ نظرانہ خودغرضی، عاقبت نااندیشی اور قوم پرستی کی جگہ انسانیت سے بہ حیثیت مجموعی محبت اور فطرت کے احترام جیسی اقدار کو فروغ دینا ہوگا۔

ہمیں ایک نئے اقتصادی نظام، ایک نئے معاشرے، ایک نئے عمرانی معاہدے اور ایک نیا طرز زندگی اپنانے کی ضرورت ہے۔

حروف تشکر

میں ایم آئی ٹی (MIT) کے انسٹیٹیوٹ پروفیسر نوم چومسکی کا، اور انٹر پریس سروس و یونائیٹڈ نیشنز انوائیرمنٹل پروگرام کے ڈائریکٹر بحر کمال کا انتہائی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنے قیمتی مشوروں اور حوصلہ افزائی سے نوازا۔ مجھے یہ کتاب لکھنے کے زیادہ تر تحریک و ترغیب انہی کی بدولت حاصل ہوئی۔

یہ کتاب مضامین کے ان مجموعوں پر مشتمل ہے جو پہلے پہل ''کاؤنٹر کرنٹس''، ''ٹرانسنڈ میڈیا سروس ویکلی ڈائجسٹ'' اور ''ہیومن رائٹس واچ'' نامی جریدوں میں شائع ہوئے تھے اور میں ان جرائد کے مدیروں بشمول بینو میتھیو، انٹونیوسی ایس روسا اور بحر کمال کا بے حد مشکول ہوں کہ انہوں نے یہ مضامین شائع کئے یہ تین انتھک اور انتہائی انہماک سے کام کرنے والے حضرات ہم سب کے شکریئے کے اس لئے بھی مستحق ہیں کہ انہوں نے امن، ماحولیات اور فوری توجہ کے متقاضی عالمی مسائل کے معقول حل جیسے موضوعات پر ہزاروں مضامین شائع کئے۔ متبادل ذرائع ابلاغ اور ان کے ساتھ کام کرنے والے تمام افراد انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمیں اس بگڑی ہوئی اور ادھوری تصویر/منظر کو درست کرنے میں معاونت فراہم کرتے ہیں جو بڑے بڑے کاروباری اداروں کے مفاد میں کام کرنے والے ذرائع ابلاغ کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔

فہرست

باب اوّل	افزائش کی حد	15
باب دوم	کائناتی انتشار یا عدم توازن کا پیمانہ (Entropy) اور اقتصادیات	37
باب سوئم	موسمیاتی تبدیلی	55
باب چہارم	وسائل کی جنگ	71
باب پنجم	جنگ کے خطرات اور مصارف	91
باب ششم	عالمگیریت کے مسائل	119
باب ہفتم	عالمی غذائی بحران	133
باب ہشتم	امداد باہمی کی تحریک	157
باب نہم	ایک نیا عُمرانی معاہدہ	189

MashalBooks.org

MashalBooks.org

باب اوّل

افزائش کی حد

تعارف: اصلاح کی ضرورت

صنعتی انقلاب قدرتی ایندھن کے ذخائر کے بڑے پیمانے پر استعمال کے آغاز کی نشاندہی کرتا ہے۔ پودوں کی ہزاروں، لاکھوں برس تک افزائش کے نتیجے میں زمین کے اندر ذخیرہ ہونے والی توانائی کا استعمال اس کی موجودہ شکل اختیار کرنے کی رفتار سے کئی لاکھ گنا زیادہ تیزی سے ہونا شروع ہوگیا۔ اس کے انسانی سماج پر مرتب ہونے والے اثرات ایک طرح سے نشہ آور تھے۔ اس صورتحال کے باعث آبادی اور صنعتی پیداوار دونوں میں مبالغہ کی حد تک خوش آئند (اور غیر مستحکم خاصیت کا حامل) اضافہ دیکھنے میں آیا۔ اس دوران قدرتی ایندھن جلانے کے نتیجے میں فضا میں خارج ہونے والی کاربن نے ان حالات کی شدت میں دوگنا اضافہ کر دیا جو ارضیاتی مشاہدے میں آنے والے نیستی کے 5 ادوار کا باعث بنے اور جن میں سے ہر ایک دور میں ہر قسم کی زندگیوں کی نصف سے زائد انواع ہمیشہ کے لئے معدوم ہوگئیں۔

ماہرین اقتصادیات (چند ایک نمایاں ماہرین، مثلاً نکولس جارجسکو روجن، ہرمان ڈالے، اور آر ایلیو پیکے کو چھوڑ کر) طویل عرصے سے یہی تاثر دیتے آرہے ہیں کہ جیسے شرح افزائش معاشی صحت سے مطابقت کی حامل ہو۔ اگر کسی ملک کی خام قومی پیداوار 4 فی صد سالانہ کی شرح سے بڑھتی رہتی ہے تو بہت سے ماہرین اقتصادیات اسے صحت مند معیشت کی علامت قرار دیتے ہیں۔ اور اگر معیشت اس سے بھی زیادہ فروغ پذیر ہو سکے تو (وہ دعویٰ کرتے ہیں) یہ اور بھی زیادہ

MashalBooks.org

صحت مند ہونے کی علامت ہے۔ اگر شرح افزائش میں کمی ہو جائے تو اسے بیمار معیشت ہونے کی علامت گردانا جاتا۔

تاہم یہ امر واضح ہے کہ ایک محدود وسائل کی حامل یا فانی زمین پر آبادی یا شرح افزائش میں مسلسل اضافہ ممکن نہیں ہے۔ 4فی صدی شرح افزائش کا مطلب ہے ہر سو برس میں 50 کے عنصر (factor) سے اضافہ۔ کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ایسی صورتحال طویل عرصے تک برقرار رہ سکتی ہے ماسوائے اس کے کہ وہ مستقبل قریب (یا اپنی ناک) سے آگے دیکھنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔

بلاشبہ یہ ایک ضروری امر ہے کہ صنعتی ترقی اور علم و ثقافت کی ترقی کے مابین خط امتیاز کھینچ دیا جائے کیونکہ موخرالذکر کی ترقی میں تسلسل رہ سکتا ہے اور رہنا چاہئے۔ انسانی معاشرے میں معیاری بہتریاں لانا ممکن بھی ہے اور پسندیدہ بھی، تاہم وسائل نگلنے والی اور آلودگی پیدا کرنے والی صنعتی ترقی اب حدوں کو چھونے لگی ہے۔ جس کی ایک وجہ تو ماحولیاتی مجبوریاں ہیں اور دوسری یہ کہ پٹرول قدرتی گیس اور دوسرے ناقابل تجدید وسائل، مثلاً دھاتوں کے ذخائر اپنے اختتام کو پہنچنے والے ہیں۔ تباہ کن ماحولیاتی تبدیلی کا خطرہ ہمیں واضح اشارہ دے رہا ہے کہ ہم چند عشروں کے اندر اندر قدرتی ایندھن کا استعمال ترک کر دیں۔

آج کے دور میں جبکہ معاشی شرح افزائش عدم استحکام کا شکار ہے تو ایسے میں ہمارے بینکاری نظام کی خامیاں اور ناانصافیاں بڑی تیزی سے اجاگر ہو رہی ہیں اور اس کے ساتھ ہی بینکاری نظام اور حکومت کے حد سے زیادہ جنونی تعلقات بھی احاطہ نظر میں آ رہے ہیں۔ 2008 میں گروی رکھی گئی جائیدادوں پر قرضوں کی عدم ادائیگی کے بحران (Sub-prime mortgage crisis) کے دوران بینکاری نظام کے زوال اور بعد ازاں عوام سے وصول کردہ محصولات کی رقم سے اس نظام کی بحالی جیسی مثالوں سے ہمیں دونوں ہی مظاہر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، یعنی ہمارے بینکاری نظام کی خامیاں اور حکومتی ایوانوں میں ان کا سرایت کر جانا۔ یہی کچھ یوروزون اور دوسرے خطوں میں قرضوں کے موجودہ قومی بحرانوں کے حوالے سے کہا جا سکتا ہے۔

بینکاری نظام کی ایک نمایاں خصوصیت جو اصلاح احوال کے لئے دہائی دے رہی ہے وہ ''جزوی ذخائر پر مبنی بینکاری'' یا "fractional reserve banking" ہے، جسے کہ ایک ایسی روایت کہا جا سکتا ہے جس کے تحت نجی بینک اپنے کھاتہ داروں سے وصول ہونے والی بچتوں کا بہت

معمولی سا حصہ اپنے پاس رکھتے ہیں اور باقی ساری رقم قرضوں کی شکل میں آگے دے دیتے ہیں۔ اسی طرح کے عمل کے ذریعے بینک دراصل اپنے طور پر ہی تخلیق کر کے اسے گردش میں لا رہے ہیں جو کہ ایک ایسا استحقاق یا اختیار خصوصی ہے جو صرف حکومت کے پاس ہی ہونا چاہیئے۔ جزوی ذخائر کے اس نظام کے تحت زر کی رسد میں پھیلاؤ سے حاصل ہونے والا کوئی بھی منافع نجی بینکوں کے تصرف میں چلا جاتا ہے نہ کہ حکومت کے خزانے میں تا کہ وہ سماجی خدمات پر خرچ کر سکے۔ یہ بنیادی طور پر غیر منصفانہ عمل ہوتا ہے؛ بینک دراصل اپنا اختراع کردہ زر جاری کر رہے ہوتے ہیں۔

جب معیشت پھیلنے کی بجائے سکڑنا شروع ہو جاتی ہے تو جزوی ذخائر کے اس نظام بینکاری کے اثرات اور بھی بدتر ثابت ہوتے ہیں۔ ایسی صورتحال کھاتہ دار بینکوں سے اپنی بچتوں کی واپسی کا مطالبہ شروع کر دیتے ہیں جو کہ ان کا حق ہوتا ہے۔ تاہم بینکوں کے پاس مطلوبہ رقم نہیں ہوتی کیونکہ وہ اسے قرضوں کی صورت میں آگے دے چکے ہوتے ہیں اور یوں وہ انکار کر دیتے ہیں۔ تاہم بینکار اس صورتحال میں اپنی بقا کی ضمانت پہلے ہی حاصل کر چکے ہوتے ہیں، یعنی حکومتی عہدیداروں کے ووٹ سے محصولات کی شک میں حاصل کردہ پیسوں کے ذریعے دیوالیہ ہونے سے بچا لیا جاتا ہے اور عوام کے پاس قیت ادا کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا جیسا کہ ایک حالیہ مثال سے ثابت ہوتا ہے جس میں یو۔ ایس فیڈرل ریزرو نے مختلف بینکوں کو بچانے کے لئے خفیہ طور پر محصولات دینے والے عوام کے 7.7 کھرب ڈالر لٹا دیئے تھے۔

MashalBooks.org